

REGISTERED No 783
1931
LUCKNOW
OUDHPUNCH
1931
क़ीमत पेशगी
सालाना ५
छमाही ३
तिमाही २

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجب دلچسپ لطف سے پڑھیے اور شاعری کی شاعرانہ استادی سے فائدہ اٹھائیے قیمت فی جلد ۸؍ ٹکٹ بھیجیے یا وی پی اور منی آرڈر بھیجئے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ بابت ۱۹۳۰ء

چند فائل برائے فروخت موجود ہیں۔ یہ مجلدات ذخائر علم و ادب و ظرافت و سیاست سے مالا مال ہیں۔ ہر کتاب خانے میں محفوظ رہنے چاہئیں۔ ان کے علاوہ دیگر سنین ماضیہ کے بھی مکمل فائل برائے فروخت موجود ہیں فرمائش بھیجیے۔ قیمت فی جلد ... اودھ پنچ ہر دلعزیز ہے ... کے فائدہ اٹھائیے

منیجر

توجہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں ہر قسم کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بیہودہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ کا انداز اور مستقبل ان کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل غور مضامین پیش کرتا ہے۔ دوسرے اس کی تقلید کرتے ہیں اور پھر بھی اودھ پنچ صرف اپنی ظرافت پر قائم ہر نقطے سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر غور نہ کیجئے۔ یہ پرچہ بہ اعتبار ضخامت کم ہے بلکہ افادات کی جدت رائے کی صداقت اور روایت کے ساتھ صحیح نتائج، واقعات اور بنیادی اصلاحات، اخلاقی و سیاسی ... سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر ملیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

(قواعد و ضوابط)

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) غریب شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائیگی یعنی چار روپیہ (عہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) طالبان ... اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ کچھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اس طرح ... نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرائیں۔ دام ورنہ ... کوشش سے فائدہ اٹھائیں۔ مذہب یا ... کا یہ ... خلاف حمیت ہے۔

(۴) ... اکثر صاحب ... یہاں سے ہم ... کا ... لیکن ... طباعت کے ... پانچ ... بیرونی کاپی کے ساتھ ... ادارے کے ... عادت ہے ... گذشتہ ... دوبارہ ... کیا جائے ... حضرات ملاحظہ فرمائیں ... ہے لہٰذا ... نہیں ہوتا۔

(۵) ... مضامین اودھ پنچ کی ... کے مطابق ہونگے وہ شائع ہونگے ... مجبور نہیں ہیں۔

(۶) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی طرف لکھے جائیں۔ ... کسی شخص یا قوم کی تضحیک ...

... حضرات خریداران ... خط ... ہوں ... لکھا ہونا لازم ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۷ نمبر ۳۵

مضامین

۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء

سہارنپوری اور دلی کے کلام کی زبان کا تقابل

(ذیل کی عبارت میں کا عادہ الفاظ کی ترکیب سے ترتیب جیبا کر ملحوظ رکھنا ضروری ہے)

سہارنپوری۔ (دیکھتا ہیں) میاں مجن ہوت!!

دلھوی۔ (گردن پھیر کر) ارے واہ بھیا بھائی سلام علیکم

سہارنپوری۔ بھیا کب آئے ہو۔

دلھوی۔ میں ابھی گیارہ بجے کی گاڑی سے آ رہا ہوں۔

سہارنپوری۔ بھیا بہت دنوں سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس وقت اتفاق سے بازار میں ملاقات ہو گئی خدا نے تم کہاں ٹھہرے ہو خبر بھی نہ ہوتی تم میرے پاس کیوں نہ ٹھہرے۔ ہاں جی غریبوں کو کون پوچھے۔

دلھوی۔ محلہ شیر میں میرے ایک مہربان ہیں وہیں کے ٹھہرا ہوں۔ لڑکے کی جوتیاں ریل میں کھو گئیں ننگے پیر رہ گیا جو تیاں پہنانے جا رہا تھا۔ اے کمبخت چچا کو سلام کر۔

سہارنپوری۔ میرا گھر نزدیک ہی ہے اس داہنے ہاتھ والی سڑک کے نکڑ پر ہے یہاں سے کوئی دس بارہ قدم ہوگا۔ اچھا تو اب چلو کچھ ناشتہ کرو پان وان کھا لو۔ یہ تو بتاؤ کیسے آنا ہوا۔

دلھوی۔ یہاں سے بڑی لڑکی کے لیے رشتہ آیا ہے بات لگ رہی ہے وہ اسی کی پوچھ گچھ کو آیا ہوں۔ بھئی تم سے اب سب حال مفصل اصل تم سے معلوم ہو جائے گا۔

سہارنپوری۔ یہ تو بتاؤ ماشاءاللہ کتنے بچے ہیں کھاو کا کیا احوال ہے۔

دلھوی۔ اس وقت آٹھ بچے ہیں۔ اور ساتواں کی تیاری ہے گھر میں مفلسی چھائی ہوئی ہے کاروبار آجکل مندا ہے کرخندار اور سوداگر مارے پیٹے ہیں کہ کاریگروں کا لہو پی لیں۔ گنتی والے کی جس کی مزدوری دھیلی روپیہ ہے ہو تھی مشکل ہے۔ روز کی پونی دھیاگی ملتی رہے تو کام چلے جائے۔ جب آٹھ دھیاگی کی دھیاگی چڑھ جاتی ہے جب دھیاگیاں ٹھٹی تھیں تو زیادہ خرچ چلے تو کیسے کر اور برکت ہو تو کیسے۔ بڑا رونگٹے گھر رہا ہے۔ سب سے بڑا ایک لڑکا ہے اور دو بیچ کی لڑکی ہے جس کی منگنی یہاں سے گئی ہے۔ جو گھر میں ہے وہ بھی لڑکی ہے۔ اور تین لڑکے اور ہیں۔ منجھلا لڑکا میرے برابر کام کرتا ہے۔ اور بڑی لڑکی بھی کام ہی کام کرتی ہے۔ ہم کمانے والے ہیں جو بھی گزارہ مشکلوں سے ہوتا ہے۔ یہ جو بیچ سنگ ہے یہ تیسر قھر ڈیرے ہے اور گورنمنٹی سکول میں پڑھتا ہے۔ ویسے خرچ الگ رہے ہے۔ مگر بڑے کی حالت یہ ہے کہ جتنی بھی دنیاں بھر کی برتیاں ہیں وہ سب وہیں موجود ہیں۔ کسو میں ایک رو ہوگی مگر وہ تو بیچ عیب شرعی ہے۔ وہیں نے خاندان بھر کا نام ڈبو دیا ہے۔ فقر تر بازوؤں سکنے کا وہ تشریح۔ پھر ہوئے بادی کی لت۔ کوکین کھائے۔ جتنے میرے ملنے والے ہیں شاید ہی کوئی ہوگا جو وس سے ادھار دیا ہو تکا تقاضا میرے اوپر۔ کہیں کہ ہماری بات جو قرضہ بھی بھگتا جائے۔ اگر میں کچھ کہتا ہوں تو گالم گلوچ کرنے کو تیار ایسا ناخلف بے وحدت ہے کہ ذرا لحاظ نہیں۔ اور اتفاق سے جو میں نے وسکی کڑی کہ مار روک ٹوک کی تو کاٹ کھانے کو دوڑتا اور مارنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور وسکی ماں اور انکی حامی کار رہتی ہے۔ سب چھوٹے بہن بھائی وس سے نالاں ہیں۔ سب کی ناک میں دم کر رکھی ہے ماں سے روپیہ کرو دھیلی پاؤلا ہوا لے اڑتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں وہی خدایا تو وسے موت دیدے بتاؤ پھر گھر میں کیسے برکت ہو جبکہ جوان کام میں ہاتھ بٹانا مشت ملتی۔ اب بتلایئے میں ایسا کیا کیا کروں۔ وہ دو ہر لڑکی جوان ہو گئی وسکی شادی کی فکر ہے۔

سہارنپوری۔ اس زمانہ میں سب جگہوں یہی حالت ہے۔ شریفوں کے لونڈے بے وحدت اور فاسق سلانے کی اولاد تو اتنی بے ابتر ہے کہ کچھ کہانی جاتا۔ یہ سب ہمارا ہی قصور ہے۔ اللہ ہی بوشلیان شد ہو رہا۔۔۔ لونڈی کا رشتہ کس کے یہاں سے گیا ہے۔؟ باقی آئندہ

تماہی کا اڈیٹر اور جناب سرکوب

الیان کو رکھپور باتبہ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک غزل حضرت اصغر گونڈوی کی نظر آئی جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ خاص الیان کے لیے مرحمت کی گئی ہے۔ اسی زمین میں جناب سرکوب الہ آبادی کی بھی غزل ہے ہم دونوں غزلیں ناظرین کے سامنے اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ اپنے فیصلے سے مطلع کریں۔ کس کی غزل میں زیادہ معنی خیز اشعار ہیں۔ اصغر صاحب کی غزل میں صرف سات شعر ہیں اور مقطع بھی نہیں ہے لہذا ہم جناب سرکوب کے صرف وہی اشعار پیش کریں گے جو ہم قافیہ ہیں اور اصغر صاحب کی زبان میں کہے گئے ہیں۔

اصغر۔ یہ ساز ہے میری زندگی کا
بجنے سے ہوں کفن خودی کا

سرکوب۔ اک جلوہ تو ہوں زندگی کا
میں چاک ہوں جامۂ خودی کا

اصغر۔ اب ڈھونڈ رہا ہوں بیخودی میں
کھویا ہوا لطف آگہی کا

سرکوب۔ اب جل میں یاد کر رہا ہوں
بجھ وہ جام آگہی کا

اصغر۔ وہ نغمہ بیاں میں چھپنے والے
اب قصد ہے اور خامشی کا

سرکوب۔ او حرف صدا میں رہنے والے
تو ساز بنے گا خامشی کا

اصغر۔ مرنا تو اک انتہا کی ہے کی بات
جینا ہے کمال مفلسی کا

سرکوب۔ شرمندہ ہو جہدی کے آگے

یہ بھی ہے طرز مستی کا
اصغر۔ عالم ہے اک سکون بیتاب
یا عکس ہے میری خامشی کا
سرکوب۔ ہر موج ہے اضطراب ساکت
یا سایہ ہے میری خامشی کا
اصغر۔ کر سینہ گلوں کی طرح چاک
دے مر کے ثبوت زندگی کا
سرکوب۔ بن جا محفل میں شمع کشتہ

نقد النقد

"نادر وطن"

(اردو)

الہ آباد سے ایک ماہواری رسالہ نسواں ... کا جاری ہوا ہے۔ ایم اے سکینہ بیگم صاحبہ اسکی مؤلف ہیں۔ خواتین ہند کی علمی اور مادی ترقی اس کا خاص مقصد ہے ترتیب مضامین اور انتخاب

بچوں کی دنیا

(اردو)

الہ آباد ہی سے بچوں کا ماہواری رسالہ ... الہ آباد کی کمائی چھپائی مشہور ہے۔ پہلا نمبر اس رسالے کا چنداں قابل اعتنا نہ تھا اب اس نے ابھی ترقی کی ہے مگر بعض کی غلطیاں نہیں ہوتیں باتصویر ہونے کے سبب سے بچوں کو ضرور اس کی طرف توجہ ہوگی اور توجہ کو تعلیم کے ہو رہے ہیں ...

انقلاب و ترقی تہذیب

(وہ زمانہ لد گیا جب مرد عورت کے سر پر سوار ہوتے تھے)



زین بر سر زن

ہماں زین بر پشت مرد

ہمدرد حیوانات: اجی کل تک تو تم اچھے تھے۔ آج کیا قطع بنائی ہے؟

نوشاہ: جی! کیا آپ کو معلوم نہیں؟ میری شادی ہو گئی۔

دے مر کے ثبوت زندگی کا
اصغر۔ پاس ایک جنون ہوشیاری
امید فریب زندگی کا
سرکوب۔ غم ایک سکوت یاد گوئی
شادی ہے خیال زندگی کا
سرکوب جملہ سعی تجدید اشعار
اب رنگ یہی ہے شاعری کا
واقف ———— مقابل

گئے ہیں سیلے ضروری امور کے انتخاب سے مؤلفہ صاحبہ کا سلیقہ بخوبی ظاہر ہے۔

اس رسالے کا پہلا نمبر جون جولائی کے آخر میں پہنچا تھا اسکے بعد سے پھر کوئی نمبر نہیں پہونچا۔ انتظار تھا کہ اور چند نمبر بھی دیکھ لیں تو کچھ کہیں۔ بس اب اسی مختصر رائے پر قناعت کرنی چاہیے۔ نمونہ منگا کے دیکھیے۔ ایک کاپی کی قیمت ...

داخل ہے۔ اسکی قیمت ... سالانہ مقرر ہے جن گھروں میں چھوٹے بچے قابل تعلیم ہوں ان میں ایسے تعلیمی رسالوں کا وجود بھی ضروری ہے۔

ہمجولی۔ حیدر آباد دکن

(اردو۔ ماہوار)

اودھ پنچ میں اس ماہواری رسالے کی پہلے خبر دی جاچکی ہے مگر نقش ثانی نقش اول سے اچھا ہے

۱؎ صحیح طرح معلوم ہوتا ہے۔ ۲؎ سرکوب صاحب ... کے لحاظ سے ... کی ... ہے۔

اسلیے حضرت سیدہ بیگم خوشگی مرحومہ (بجلی) کی خدمت میں ہم انکی سعی کے مشکور ہونے کی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ رسالہ فتح میدان جہد آبلہ وکمن کے پتے سے مل سکتا ہے

کارنامۂ حسینؑ

یہ نام تو مسلمان اُسی وقت لیتے ہیں جب اُن کا دل رونے پر مائل ہوتا ہے ایسے بھی مسلمان موجود ہیں جو پہلے آنسو بہا لیتے ہیں پھر زبان پر یہ نام جاری کرتے ہیں۔ بہار شیعہ کانفرنس (پٹنہ) نے مشاہیر اہل قلم سے بدون قید مذہب و مسلک امام حسینؑ کے کارہائے نمایاں پر انگریزی اور اردو میں مضامین لکھوا کے شائع کیے ہیں۔ دونوں رسالے ہمارے پاس اظہار رائے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ لکھنے والوں نے حضرت کے صدق شجاعت خلوص اور دیگر انسانی کمالات پر خوب خوب مضامین لکھے ہیں لکھنے والوں

میں کوئی خان بہادر ہے کوئی ہندو یونیورسٹی بنارس کا پروفیسر ہے کوئی جسٹس ہے کوئی بیرسٹر ہے کوئی اڈیٹر ہے۔ کوئی جرنلسٹ ہے۔

بہرحال ہر ایک قابل مضمون نگار کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے آنسو روشنائی کے ساتھ عزم کی چلک دیتے ہیں۔

آپ جانیے رونا دھونا بےوقت بےمحل ہے (محرم میں دیکھا جائے گا)

اردو رسالے کی قیمت ۸ آنہ علاوہ محصول

انگریزی " " ۱۲ آنہ " "

غالباً نواب سید احمد علیخاں صاحب بہادر سکریٹری بہار و اڑیسا شیعہ کانفرنس محلہ لودی کٹرہ پٹنہ سے دونوں رسالے مل سکیں گے۔ مضامین کے بےنظیر اور مفید ہونے میں کوئی شک نہیں خصوصاً اس عہد میں تو سچ پر قربان ہو جانے کی زیادہ ضرورت ہے۔

انگریزی کتاب (متعلق قرآن) پادریوں کی لکھی ہوئی اور کسیقدر سا ایجاد گندہ۔ بس یہی ان مضامین کی سنگ بنیاد ہے گستاخی اور جہل کا جواب دلیل سے مستغنی ہے اس لیے تعرض بیکار ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جتنی احتیاج نظام اور تنظیم کی آج محسوس کی جاتی ہے پہلے کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ نگار صاحب بھی اسی قسم کے نظام طراز ہیں ہیں۔ ارے بھائی دلیل کی قوت نہ سہی۔ علمی استعداد کا عدم سہی گستاخی اور یاوہ گوئی پر تو قدرت ہے کہ اسلام کے مسلمات و اولیات جلیلہ سے انکار کی طاقت تو ہے۔ ویسا ہتوں نے کیا پھر بھی مسلمان رہے اور جب مرے تو مسلمان ہی سمجھے گئے۔ اگر خدا نخواستہ نگار صاحب بند ہو گئے تو دیکھیے گا دیگر جرائد کے صاحبان قلم وہی اہل علم جو آج نگار کو اپنی استعداد دکھا رہے ہیں سمجھ رہے ہیں [illegible]

الاوباریات

(باوجود ایں ہمہ نیداری)

اگر کوئی شاعت زدہ ہندو اسلام و اہل اسلام یا سلاطین اسلام کے بارے میں اس قسم کی زہرافشانی کرتا جیسی کہ نگار میں بالعموم ہوتی رہتی ہے تو ہمارے مسلمان بھائی آستین چڑھا کے کھڑے ہو جاتے اور راجپال کے مانند سلار کی فکر میں ہوتے اور آسمان سر پر اٹھا لیتے کرائے اسے ہم تو کہیں گے کہ سب سے عجیب دُنیا میں نگار ہے اسوقت تک ہمارا اسلام کمن کمنا بوا جس پہ سارے کا نگار پر حکومت یا اس اہل اسلام ضبط ہونا چاہیے۔

لکھنؤ کا ہیج (۱۸ اکتوبر ۳۳) اُن روایات سے آج بھی تعرض کر رہا ہے جنہیں شاید حضرت نگار نہیں اور [illegible] آلیات سمجھ رہے ہیں۔ مگر دیگر اسلامی جرائد خاموش ہیں۔

سچ پوچھیے تو اس قسم کے مضامین کی بنا محض گستاخی اور یاوہ گوئی پر قائم ہے۔ یا ایک آدھ

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۹۸ سنہ ۱۹۳۳ء

بعدالت خفیفہ اجلاس جناب منصف صاحب بہادر بلگرام مقام بلگرام ضلع ہردوئی۔

چونکہ شیخ [illegible] ولد [illegible] قوم [illegible] پیشہ [illegible] ساکن [illegible] پرگنہ ملاواں تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی بنام

[illegible] ولد [illegible] قوم [illegible] ساکن [illegible] ضلع [illegible] پرگنہ ملاواں تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی۔

[illegible] مدعی نے تم پر [illegible] کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا بذریعہ وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف ہو حاضر ہو کر جواب دعویٰ کرو اور اسی روز مقدمہ کا فیصلہ قطعی ہوگا [illegible] تمام دستاویزات جن پر تم کو استدلال کرنا ہے اسی روز پیش کرو۔

[illegible] تمہاری غیر حاضری میں مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج تاریخ [illegible] ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت	دستخط حاکم بخط انگریزی

وقت حاضری بمقام منصفی بلگرام ۱۰ بجے دن

پیشی ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء

اطلاعنامہ حسب دفعہ ۲ ایکٹ نمبر ۱ سنہ ۱۹ عدالت مال عمل لگان

باجلاس سید محمد [illegible] صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم

[illegible]

بعدالت مال مقام قائم گنج ضلع فرخ آباد

چونکہ [illegible] پسر [illegible] قوم [illegible] ساکن [illegible] ضلع فرخ آباد [illegible] ساکن [illegible] پرگنہ فرخ آباد

[illegible]

ہیں اگی نقل اطلاعنامہ بر درخواست کی جاتی ہے۔

اصل	...	...	...
خرچہ [illegible]	...	...	...
[illegible]	...	...	...
[illegible]	...	...	...
[illegible]	...	...	...
میزان	...	...	...

[illegible]

[illegible]

—— واویلا! ایک اسلامی جلسہ آتش و رعد سے ہمکنار ہو گیا۔ وہاں کر تباہ! اصلی عظیم نظامت پائی شمشین جس پر یہ جلسہ جب کے عالم کرانچی پیدا گری سے سرفراز کرتا تھا ٹوٹ گئی ہے۔ بیلچن اور روڑے گرد کی ہیں جب ہم نے فرم نگار میں سیاہ آنسوؤں سے گریہ شروع کر دیا ہے۔ آہ! اسلام آج مر گیا اور سے مسلمان تباہ ہو گئے۔ افسوس اس جاہلیت قدیم کا مجدد تو اب ایک صدی تک پیدا نہ ہوگا۔ نگار نہیں تجدید اسلام پروری کا خاتمہ ہو گیا۔ یارو جلسے کرو۔ یادگار قائم ہو۔ چندہ دو۔ ہڑتال ہونا چاہیے۔ اسلامی موسسات (مثلاً فرنیچر) پر کالا جھنڈا لہرایا جائے۔

جب ہر قسم کے ریکارڈ کی قدر و منزلت بڑھانے والے خود مسلمان ہیں تو پھر روتے کیوں ہیں؟ آج یہاں جلسہ ہوا کل وہاں محفل گرم ہوئی۔ نفرت اور کفر کے ریزولیشن برابر پاس ہو رہے ہیں۔ مگر دیکھیے کہ ان کا اثر کامل غیر مسموع ہو جیسے کی سند۔ ہم کوئی قاضی نہیں کہ تعزیر کا حکم دیں کوئی مفتی نہیں کہ تکفیر کا فتوے صادر کریں۔ مگر اتنا جانتے ہیں کہ مرتد فطری اگر توبہ بھی کرے تو بحکم قرآن وہ توبہ عند الناس مقبول نہیں۔ خدا نے توبہ قبول کرنے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہے۔ مسلمانوں کو یہی ہدایت کی ہے کہ تم بعد توبہ بھی ایسے ملحد یقین کو مسلم نہ سمجھ بیٹھنا اور نہ بخشنے کا تمہیں اختیار ہے۔ کیا سبب ہے کہ یہ حکم دوبارہ دھوکے سے بچانے کے لیے صادر ہوا ہو۔ یہ تو یہ بات ضرور دل میں کھٹکنے والی کہ ایک شخص فطری مسلم ہونے کے باوجود بہیر توبی (نئی قسم ہے) میں مبتلا ہو جائے۔ اور آپ ہر نئے توبہ شکنی اور تجدید توبہ کی اجازت دیتے رہیں۔ وہ زہر پھیلا رہا ہے اور مسموم ہوا سے بچنے کی آپ فکر نہ کیجیے۔ نگار میں ایسے مضامین جو آیات جلیہ اسلام کے منافی ہیں بار بار لکھے گئے۔ معلوم نہیں اسوقت یہ تکفیر باز کہاں تھے اور انھوں نے کیوں زکاوت حس سے کام نہ لیا۔

جب نگار صاحب اور دینیات کے خرافات سے علم فرما رہے تھے اسوقت ایک عالم نے انکو ادیب یگانہ علامہ عصر مانا۔ پھر انھوں نے دینیات پر بحث کی تو اسوقت بھی انکے ارشادات نہایت خلوص اور رواداری کے ساتھ سماعت فرمائے گئے۔ اور کہا گیا کہ صاحب نہایت نابغۂ عصر کے محقق یکتا اور بے خوف ہیں۔

اسلام کو ایسے لوگوں سے جو باوجود علوم قرآنیہ و حدیثیہ سے نا واقف ہونے کے قاضی و مفتی بنے رہے اکثر سابقہ پڑا۔ مگر انکے افادات پر اتنا نہیں ہوئی زمانے میں تکفیر صرف اس قدر ہوا ہے کہ اب ایسے ہی حضرات خود محقق مانے جاتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اکابر و دشمنان عقل زانوئے شاگردی تہ کر دیتے ہیں۔ جیسے گروہ قائم ہوا اور دکان چل نکلی۔ وہیں چلنے کے لیے صرف ہمت علم کافی ہے۔ آپس یا ائمہ و تابعین اعتراضات کی استعداد کس دماغ میں نہیں مسلمات کے انکار میں مزید ہی کیا لگتی ہے؟ ابلہانہ حسن ظن کی گرم بازاری سے مسلمان کب خالی تھے؟

نالائق شاعروں قاضیوں اور مفتیوں کے حالات سے کتب تاریخ بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ ایک تاجر مجلس میں وارد ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ مسجد میں اذان ہو رہی ہے مؤذن صاحب پکار کر فرما رہے ہیں اشہد ان محمداً رسول اللہ اور اسکے ساتھ ہی بہج کر کہتے ہیں ... تاجر نے قصد کیا کہ خطیب سے اس عجیب صدا کی توجیہ کرے مگر خطیب صاحب ایک پاؤں سے کھڑے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے دوسرا پاؤں غلیظ سے لتھڑا ہوا تھا۔ خطیب سے نگاہ استفسار کر کے محتسب پر بھی تو معلوم ہوا کہ وہ جامع مسجد میں اسوقت مے فروشی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ تماشا قابل دید تھا جامع مسجد پر واقعی کوزہ ہائے شراب رکھے ہوئے تھے اور جناب محتسب گرد میں قرآن لیے قسمیں کھا رہے تھے۔ یارو یہی کلام پاک کی قسم اس شراب میں ایک قطرہ پانی کا ملایا نہیں گیا بالکل خالص ہے۔ خریدار ٹوٹے پڑتے تھے محتسب پر ہول پڑے کے

قاضی صاحب کی جانب یہ فوراً روانہ ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ جناب قاضی پر ایک غلام امرد جوان قریب بیٹھا (عبث غرض) ساتھ ہے اور اس ناشائستہ فعل کے وقوع پر جناب قاضی بحالت خفقان جبین برو زمین ہیں۔ استغفر اللہ۔ جیلے اسلامی نے منہ پر دو ہزار جلوا دیے۔

قاضی صاحب نے فرمایا۔ اے شخص تو کون ہے؟

"مسافر"

"مجھ سے کیا کام ہے؟"

"چند مسائل کا استفسار"

"پوچھو"

"سنیے اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کے بعد اس شخص کا اضافہ کیسا ہے؟"

"بے جب جاہل ہو۔ ارے کمبخت مؤذن تھا بیمار اس نے ایک یہودی کو اپنی جگہ اذان دینے بھیج دیا۔ پھر وہ تو یہودی ہے محمدؐ کی رسالت کا اقرار بھلا کس طرح کرے"

"خطیب ایک ٹانگ سے کھڑا نماز پڑھا رہا تھا اور دوسرا پاؤں اسکا نجس تھا"

"پھر اسمیں کیا خرابی ہے۔ جلدی تھی وضو کے بعد نجاست بھر گئی۔ فضیلت کا وقت جاتا تھا اس لیے پاؤں پاک نہیں کر سکا۔ فرض سجدے اور بچا لیے رہا"

"جامع مسجد میں شراب محتسب بیچ رہا ہے؟"

"ہاں بکتی ہے۔ اللہ میاں کا مکان تو لوگ بنا دیتے ہیں مگر اسکے قائم رہنے کے واسطے کوئی انتظام نہیں کرتے۔ جس نے مسجد بنائی ہے اسی نے ایک باغ انگوروں کا مسجد کے مصارف کے لیے وقف کیا ہے۔ جب تک تازہ انگوروں کی فصل رہتی ہے اسوقت تک انگور بیچے جاتے ہیں لیکن اب انگوروں کی تجارت سے روغنا مسجد کا جلتا ہے"

"جناب کس امر شرعی میں مشغول تھے"

"وہ اے جہل و نادانی۔ صاحبان صاحبزادے کی جاگیر کا نابالغ قاضی کمبخت مشغول تھا۔ آخر کیونکر معلوم ہوتا کہ صاحبزادے جوان ہو گئے بجز شعر



متفکر حکومت ہند

سرداری سونا تو لے گئے علی بابا۔ اب نہ "سمسم" کی ضرورت ہے اور نہ کسی عمل کی لیبر پارٹی کی۔ یا تخفیف یا ٹیکس "سے
باہر والے کھا گئے اور گھر کے گائیں گیت

اطلاع تاریخ بغرض تصفیہ مراتب اشتہار نیلام

[illegible]

مہر عدالت — دستخط حاکم

[illegible]

سمن بغرض انفصال مقدمہ

[illegible]

مہر عدالت

دستخط حاکم



سمن بغرض انفصال مقدمہ

[illegible]

مہر عدالت

کی آتش ہوگئی۔ ہاں صاحب آج بھی وہی جادو کے مالک ہیں۔ لوگوں نے بلوغ پر بھی گواہی دی ۔"

تا جا اس گروہ پر لعنت کرتا ہوا بھاگا اور پھر حمص کا نام نہ لیا۔ یہ حکایت کتابوں میں موجود ہے مگر اس کا آخری جزو کہ قاضی و محتسب و خطیب و مؤذن اپنے عہدے سے برطرف کیے گئے کسی تاریخ میں موجود نہیں۔

ایک مفتی صاحب کے پاس کوئی صاحب اپنے صاحبزادے کو لے گئے کہ یہ قرآن نہیں پڑھتا آپ اسے سمجھائیے۔

مفتی "کیوں جی تم قرآن کیوں نہیں پڑھتے؟"

لڑکا "جی پڑھتا تو ہوں"

مفتی "کچھ یاد ہو تو سناؤ"

لڑکا "سنئے ؎

غلام قلب ربابا ... بعد ما شاب وشابا

ان دین اللہ حق ... لا اری فیہ ارتیابا

(دل نے ارباب کے ساتھ لگاؤ پیدا کر لیا بعد اسکے کہ وہ بھی بوڑھا ہو گئی اور دل بھی۔ خدا کا دین سچا ہے اس میں کوئی شک نہیں)

مفتی "یہ اسی سورے کی آیتیں ہیں جس میں "و کلی اعب اترابا" ہے؟"

لڑکا "جی ہاں"

مفتی "(والد طفل سے) پڑھتا تو ہے اور کیا چاہیے؟"

والد محترم "اجی خدا سے خدا سمجھے آج ہی اس نے ہمسایہ سے قرآن مانگ کے مجھے جھوٹا بنانے کے لیے دو چار آیتیں یاد کر لی ہیں"

جاننے والے جانتے ہیں مفتی صاحب کو تمیز نہ ہوئی کہ یہ قرآن کی عبارت ہے یا کسی رند کا شعر۔ مگر دنیا انہیں مفتی سمجھتی رہی۔

نظیر ان ہی حکایتوں کی ایک شاعر کی حکایت ہے جس نے خلیفہ متوکل عباسی کی مدح میں شعر کہے اور ایک شعر میں "جابر زرفرات" نظم کر گیا۔ خلیفہ نے پوچھا "زرفرات" کیا چیز ہے۔ جواب دیا آپ امیر المؤمنین ہیں اس پر بھی "زرفرات" کے معنی نہیں جانتے بھلا میں کیا جان سکتا ہوں؟ خلیفہ نے فرمایا "اب میں سمجھ گیا" (معنی وانکلہ من نفد لحتیلۃ ولیست تمہاری جیسی داڑھی کی زمخشری نے نقل کی ہے)

اسی طرح خلیفہ ہارون رشید کے سامنے کسی شاعر نے اخفش کی ہجو میں اپنا ایک شعر پڑھا ؎

رغفا و شمسا و ذیتونا و مخلۃ

من ان تنالا من اشخیین مخفیانا

خلیفہ نے معنی استفسار فرمائے تو کہا حضور عربی ہو ہیں حضور کا لشکر بھی سب مل کے اسکے معنی پوچھیں (انی واللہ ما ادری ما ھو میں تو خدا کی قسم اسکے معنی نہیں جانتا)

انصاف کیجیے جب ایسے ایسے قاضی مفتی شاعر اپنے اپنے لقبوں پر باقی رکھے گئے تو حضرت نگار اور علامہ مصلح مجدد محقق فقیہ مفسر کے عہدے سے کیوں برطرف کیے جائیں۔ حضرت نگار سے داڑھی نہیں (کاغذی پیکر ہیں) داڑھی کمال ہے بھی فقہ کے نکات اسی داڑھی سے نکلتے ہیں۔ فلسفے کے دقائق اسی کھرل کے رستے حل ہوتے ہیں۔ نظام کا منبع یہی فرضی داڑھی ہے تفسیر کا معدن یہی داڑھی ہے حدیث کا مخرج یہی داڑھی ہے تجدید کا منشا یہی داڑھی ہے۔ اور سیاست کا مرجع یہی داڑھی ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ ہمارا دعوت تو یہ ہے کہ اسلام ایک لازوال شے ہے یعنی ایک مرتبہ جس نے منہ سے کہہ دیا ہم مسلم ہیں پھر چاہے وہ خدا کی نفی کرے۔ انبیا کو انکی منزلت سے گرائے اولیا کی ہجو سے آئینہ ایمان کو مجلے فرمائے۔ قرآن کی آیتوں کو توڑے مروڑے اور اپنے مطلب کا بنائے۔ اصول شریعہ کے بخیے ادھیڑے۔ زنا اور سود سری بدکاریوں کو جائز سمجھے۔ رہے گا زندگی بھر پکا مسلم کہلایا گا اور مر گیا تو پھر ولی ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ گنتی گنانے کا محل نہیں یہ آنکھوں دیکھی باتیں ہیں۔

جب یہ مشاہدہ مسلم ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ چند ایسی باتوں کے متعلق جو اگرچہ حدیث و قرآن یا مسلمانوں کے دستور العمل کے منافی ہیں حضرت نگار کی نکتہ چینی کیوں کر انکے اسلام میں رخنہ انداز ہوسکتی (اگر نگار کے مضامین عام اسلام کے نزدیک قادح اسلام ہیں تو بھی یہی کافی ہے کہ وہ مسلم ہونے کے دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوا پھر جو یہ جلسے ہو رہے ہیں اور بائیکاٹ کی تلقین کی جاتی ہے۔ آخر کیوں ہے۔

ہمارے دوست علامہ ریاست علی کی ممانعت بھی مسئلہ میں بالکل بجا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"دنیا تیزی سے بدل رہی ہے اور یقیناً مذہب کے متعلق بھی خیالات میں انقلاب ہو کر رہے گا۔ اگر ذکر کرو تو ہم تو ضرور نیست و نابود ہو جائینگے جو مذہب کے نام پر موجود ہیں۔ اور جو آزادی اور سچائی کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں"

یہ آج معلوم ہوا کہ وہ مذہب بھی کوئی چیز ہے جسکی بنیاد تو ہم پرستانہ اوہام پر ہو اور یقین سے واسطہ نہ رکھتا ہو۔ جو آزاد ہو اور غالباً ماورے آنام اور سچ سے علاقہ نہ رکھتا ہو۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:-

"مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار کی جرات قابل داد ہے جنہوں نے مذہبی جنون رکھنے والے ملاؤں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان پیچھے توہم کے خلاف علم بلند کیا ہے"

دیکھا آپ نے علامہ ریاست علی کا فتویٰ۔ جیسے ان حضرت کا نام بھی اسلامی محققین کی فہرست میں۔ تو ہم والے مجنون ملا کمبخت ہمارے مشہور منصف و اجتہاد ریاست کا مقابلہ اسلامی مباحث کے فیصلے میں ہرگز نہیں کر سکتے۔

کسی بگڑے ہوئے مصلح سکھ نے حضرت گرونانک کے خلاف اسی قسم کی قابل داد جرات کی ہوتی دیکھیے کیسی قصیدہ خوانی اسی اخباری کاغذ میں ہوتی ہے صاحب ریاست جس طرح رئیسوں کے دلوں پر حاوی ہے اسی طرح اسلام کے اصول و فروع پر بھی حاوی ہے۔ تمام کتابیں اسلام کے متعلق ہیں یہ ملاؤں کی لکھی ہوئی ہیں۔ علاوہ ان کتابوں کے

جو یورپ کے مستشرقین نے لکھی ہیں۔ پس اسلامی عقاید کا تعین ان ملاؤں کی تصانیف سے ہونا چاہیے بلکہ ان کے مستشرقین یورپ بگو بند و ریاست طرفہ یہاں سے اسلام کا۔

یہ سوال پوچھنے کا کسی کو حق نہیں کہ اسلامی کتب کے مولفین یا مصنفین میں وہ کون ہے جو ملا نہ تھا۔

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور کوشش کرتے ہیں کہ مذہبی ملاؤں کی ایجادات کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے اور وہ صرف وہ اسلام قائم رہے جسکے بانی حضرت محمد صاحب تھے اور جو دنیا میں غلامی پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ جسکی بنیاد آزادی اور سچائی کے لیے رکھی گئی تھی"

جو اسلام اسوقت اسلام کہلاتا ہے وہ تو ملاؤں کے تصدق میں ہم تک پہونچا ہے بیچارے کھا کما کر گئے۔ اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے میں اپنی عمر صرف کر گئے۔ ریاست کی رائے میں وہ سب ایجادات سے ملو ہیں اور جو کچھ حضرت محمد صاحب نے فرمایا تھا اس سے کوئی ربط نہیں رکھتیں ان تصانیف سے قطع نظر کرنے کے بعد ذریعہ علم کیا رہ گیا؟

حضرت نیاز کے ایجادات یا کچھ اور؟ محمد صاحب کو دنیا سے سدھارے مدت ہوئی۔ ملاؤں اور مصنفوں نے ایجادات کی وجہ سے دین خالص کو مشتبہ کر دیا لہذا بجز حضرت نیاز کے اجتہادات اور یورپ کے محققین کے نتائج تحقیق کے اور کوئی ذریعہ محمد صاحب کے تعلیمات کا باقی نہیں۔ ارے بھائی تفسیر لکھنے والے ہیں ملا۔ حدیثوں کے جمع کرنے والے ہیں ملا۔ لغات کی تدوین کرنے والے ہیں ملا۔ رجال کے مولف ہیں غیر قابل اعتبار ملا۔ لا محالہ یورپ کے محقق اور حضرت نیاز کے علاوہ کوئی شخصیت ترجمان اسلام کے واسطے ثابت اہم ہے ہم بھول گئے تھے۔ "منشی تیسرا ذریعہ جناب علامہ مقصود" الا کا بات بھی ہیں اسلام لکھ اور کسی طرح سے کسی کو یوں بہشت گری ہی کے ذریعہ سے دنیا کو پہونچا سکتے ہیں۔

"نیاز صاحب کو چاہیے کہ ملک و قوم کی خدمت کا جو علم انھوں نے لنید کیا ہے ہر قیمت پر اسکو سنبھالے رکھیں اور اسکو پھیلنے دیں چاہے کتنی بھی اسکی مخالفت کیوں نہ ہو"

خیر ایک مستوق کو جناب نیاز کی اس بھری پری دنیا میں مل گیا۔ یہی کافی ہے۔ یہ فیصلہ کہ اسلام کے بارے میں زیادہ علم علامہ نیاز کو حاصل ہے یا علامہ مقصود کو ہمارے ذمے نہیں۔

آخر میں ہم علمائے فرنگی محل اور دیگر علمائے ملت سے ملتمس ہیں کہ وہ اتنی شدید مخالفت فرما کر "ہفوات" کا حوصلہ نہ بڑھائیں۔ اگر کوئی عقلی نقلی دلیل ہوتی تو اسپر توجہ ہر مسلم عاقل و عالم پر فرض ہوتی یہاں صرف گستاخی اور بے اعتدالی اور بدزبانی ہے پس اہل عقل کو سکوت لازم ہے۔

راقم ——

خاکسار اور بار المسلمین

پنچ حضرت ادبار! افسوس آپ ہمارے دوست علامہ مقصود کی اسلامی ذہنیت پر حملہ آور ہوئے۔ یہ اچھا نہ کیا۔

اس رائے میں ہم آپ سے متفق ہیں کہ یہ مخالفت جا بجا جل رہی ہے "نگار" کے حق میں تا پر مشتہر ہو جائے گی۔ آخر ایک طالب شہرت نے زمزم کو نجس کر کے شہرت حاصل ہی کر لی تھی۔ پروپگنڈے سے میاں نگار کی منڈی گرم ہو گئی ہے۔ خدا رحم کرے۔

فائنڈ کیا سوجھی ہے

اس میں شک نہیں کہ حکومت ہند انتظامی مہمات کے حل کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی دیکھیے خزانہ میں جو ہوں نے ڈیرہ ڈالا مگر تیمور یہ سلسلہ نہ آیا۔ دورا ہو تا تو کمبخت خون تھوک کے مرتا۔

عہد شاہ عالم میں سیندھیا بہادر اور شجاع الدولہ شاہی خزانہ لوٹ لائے تو کیا ہوا؟ کچھ نہیں بیچارے بادشاہ سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔ صاحب بہادر اگر اسوقت یہ فرماتے کہ تم چین کرو پنشن لو ہم سلطنت کی حفاظت تمہاری طرف سے بجیلئے لیتا تو بڑی آفت آ جاتی۔ بہادر شاہ نے غدر میں سونے چاندی کے برتن توڑوا کے اپنا سکہ ڈھلوایا۔ جسمیں غدر کے (اودھ پنچ) بھی علی ہذا القیاس جنگی ضرورت سے قسلا لوٹا یا خدان (کا غلطان دھلائی لغرقی) ٹکسال میں بھیجا یا کہ روپیہ اشرفی بنے۔ یہ سب دیوانے پن کی باتیں تھیں۔ بھلا یہ بھی کوئی تدبیر تھی یہ بیرچی؟ واشمر تدبیر ہے تو یہ ہے کہ محصب کی تنخواہیں کم کر دو۔

تجریز ہو ٹیکس بڑھاؤ چاہے کھانے پینے کی ہو چاہے کسی اور ضرورت کی۔ کوئی جیئے تو ٹیکس دے۔ بیمار ہو تو ٹیکس دے۔ اچھا ہو تو ٹیکس دے طالب درمان ہو تو ٹیکس دے یا بچے تو ٹیکس دے۔ نکلا بیٹھے تو ٹیکس دے۔ پیدا ہو تو آ تو آل تال کی تحصیل میں روپیہ بھر تا لائے۔ بلوغ کو پہونچے تو ٹیکس (خواہ وہ سوال ہو یا جام) جانی کے ہمراہ لائے بڑھاپا آئے تو بال چاندی کے ٹیکس ادا کرنے کو بنوائے چاندنی ہو گیا اپنی ہی جیسی ہیں۔ کاغذی سکے کو خدا سلامت رکھے۔ اب ٹکسال ہی میں ڈھلے گا۔

بڑے کی جان کی قسم جو تدبیریں سرجان شسٹر نے بتائی ہیں جالینوس کو باوجود حکیم اور سکندر کے واضح باز رہنے کے نہیں سوجھیں۔ خدا جانتا ہے عضب کا گنہ رس دماغ ہمارے دوست سر جان شسٹر نے پایا ہے۔

اے حضرت! ایک مدت کی تنخواہ لیتے ہیں یہ ٹیکس لگانے کا کام بہت مشکل ہے۔

لاجواب سوالات

لیجیے حضرت! بنکوں کا دوالا تو خدا کے فضل اور حکومت کی عنایت سے نکلنے لگا جنھوں نے روپیہ جمع کیا تھا انکی بدگمانی بے بنیاد نہیں۔ خود حکومت نے یہ بدگمانی پیدا کی ہے۔ لیکن نہ یہ بنک حکومت کے دیوانی میں مقدمہ چلائیں یہ ایک سوال ہے جو پیدا ہو گا۔ اگر کسی قانون کے رو سے تمام کاروبار بند کروا دینے کا حکومت کو اختیار ہے تو کیوں اسکی تنسیخ کی سعی نہ کائے کونسل نہیں فرماتے؟ جو دکھلا

شرائط ایجنسی

(۱) ایک روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی اور توقف کر دی جائیگی۔

(۳) پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب ۵ آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔

علاوہ خاص حالتوں کے پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد شانزدہم ۱۶ رجسٹرڈ نمبر اے ۳۳ ۶ اگست ۱۹۳۱ء

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ... موسیقی کے علمی پر

اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے

حصہ دوم میں مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی ذخیرہ وار چیزوں کا نقشہ کتاب کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی ذخیرہ وار چیزیاں اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اسمیں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ۔ محصول ڈاک بہر حال ذمہ خریدار۔ المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ